R. No. 2186/57 • Regd. No. 1,922.

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

ٹیلی فون ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۳ ۔ شمارہ ۱	ایڈیٹر ۔ آل احمد سرور	یکم جنوری سنہ ۱۹۶۴ء

ادارِیہ

آفتاب تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہُوا

ہماری زبان کے پڑھنے والوں کو خصوصاً اور اردو دوستوں کو عموماً نیا سال مبارک ہو۔

ہندوستان میں عیسوی سال کا رواج انگریزوں کی وجہ سے ہوا۔ اس سے پہلے شاکا، ہجری اور فصلی رائج تھے۔ اب عیسوی سال بھی ہمارا ہے۔ ہندوستان میں مختلف تہذیبی دھارے آکر مل گئے ہیں اور ہماری تہذیب بہت سی تہذیبوں کا سنگم ہے۔ اس سال کے ذریعے ہمارا دوسرے ملکوں سے بھی ایک رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اس لیے ہم نے اسے بھی اپنایا ہے۔

نیا سال اپنے ساتھ نئی امیدیں اور آرزوئیں، نئے ولولے اور حوصلے لاتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے پچھلے سال کے کام کا جائزہ لیں۔ جہاں خوبی نظر آئے اُسے آگے بڑھائیں۔ جہاں خامی دیکھیں اُسے دور کریں۔ اپنی رفتار کو تیز کریں، اپنے کام میں بڑے اور چھوٹے پہلو الگ کریں اور بڑے پہلوؤں پر زور دیں اور اپنے ملک و قوم کے ساتھ جمہوری طریقۂ کار کو اپناتے ہوئے آگے بڑھیں، اردو تحریک کے سلسلے میں اپنے آپ کو عمل بنائیں۔ خود کچھ کریں تب دوسروں سے مطالبہ کریں۔ حقوق پر اصرار کرتے ہوئے فرائض کا بھی لحاظ رکھیں۔ مخالفتوں اور اعتراضات پر غور کریں اور اگر ان میں کہیں سچی بات نظر آئے تو اس کا اعتراف کریں، لیکن مخالفتوں سے زیادہ بددل نہ ہوں۔ کچھ لوگوں کا تو یہ شیوہ ہی ہے۔ جو لوگ خود کچھ نہیں کرتے وہ دوسروں پر اعتراض کرکے اپنی انا کو تسکین دے لیتے ہیں۔ اردو دوستوں میں یہ مرض خاصا عام ہے۔ وہ دوسرے کارکنوں پر اعتراض کرکے سمجھتے ہیں کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ ان میں خواہ مخواہ مشورہ دینے کا بھی مرض ہے۔ اگر کوئی اچھا کام ہے، کوئی اچھا منصوبہ ہے تو اس پر خود عمل نہیں کریں گے صرف اخبار یا رسالے میں لکھ دیں گے اور سمجھ لیں گے کہ اب اس پر عمل کرنا دوسروں کا کام ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ خدمت کا کوئی ایک راستہ نہیں۔ بہت سے راستے ہیں اور ہر راستے پر چل کر ہم منزل کے قریب ہو سکتے ہیں۔ اردو کی مقبولیت پہلے سے زیادہ ہے۔ اس کے خلاف تعصب کم ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے مگر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اردو کے ساتھ انصاف ہو رہا ہے۔ ابھی بے انصافیوں کا سلسلہ جاری ہے اور بعض جگہ مثلاً اترپردیش میں تو اس پر اصرار بھی ہے۔ مگر ہم مل کر کوشش کریں۔ اپنا کیس دلائل و براہین کے ساتھ پیش کریں۔ خود اپنا ذہن صاف رکھیں اور اردو کے مسئلے کو صرف مسلمانوں کا سمجھ کر نہیں بلکہ ایک قومی مسئلے کی حیثیت سے پیش کریں تو یقین ہے کہ کامیابی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ امید ہے کہ اردو دوست اس سال میں ذہن کی صحت، عقیدے کی مضبوطی اور عمل کی توانائی کا واضح ثبوت دے سکیں گے۔

ای۔ایم۔فارسٹر کی سالگرہ

انگلستان کے اس ممتاز ناولسٹ اور مصنف کی عمر یکم جنوری کو پچاسی سال کی ہو گئی۔ ہمیں یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ اس موقع پر ہندوستان کے کچھ مصنفین نے ایک کتاب کی صورت میں اسے خراجِ عقیدت پیش

اس اشاعت میں

کیا ہے۔ ان میں ملک راج آنند بھی شامل ہیں۔

فارسٹر اور لارنس ان ناول نگاروں میں سے ہیں جن کا اس دور پر بہت گہرا اثر ہوا ہے۔ فارسٹر بہت بڑا فن کار ہے۔ اس کے ناولوں میں ہندوستان کو سفر (PASSAGE TO INDIA) ہمارے لیے خاصی اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ اس ناول میں انگریزوں کے ہندستان کے تسلط کے زمانے کے جذبات، کرداروں اور واقعات کی بڑی خوبی سے عکاسی کی گئی ہے۔ فارسٹر انسان دوستی کا علم بردار ہے۔ وہ ان انگریزوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا جو ہندوستانیوں سے نفرت کرتے ہیں اور ان سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ یہ کتاب راس مسعود مرحوم کے نام معنون کی گئی تھی جو فارسٹر کے ساتھ آکسفورڈ میں پڑھتے تھے، بلکہ عزیز کا کردار راس مسعود کے کردار پر مبنی ہے۔ فارسٹر کو ہندوستان سے اور ہندوستانی ادبیات سے بڑی محبت ہے۔ جب ۱۹۴۵ء میں وہ پی۔ای۔این کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے تو ان سے مل کر مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں ایک بڑے اچھے، سچے اور کھرے انسان سے مل رہا ہوں، جس کے پاس خلوص اور ہمدردی اور محبت کا بے پایاں خزانہ ہے اور جو کسی پیشرے یا اشتہار بازی کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ فارسٹر کے ناولوں میں انسانیت اور جمہوریت پر ایک پختہ عقیدہ ملتا ہے، گو جمہوریت کے لیے دو نعرے (TWO CHEERS FOR DEMOCRAY) سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جمہوریت کی کوتاہیوں سے بھی واقف ہیں اور اس کی وجہ سے ان کی لے میں کچھ گداز پیدا ہو گیا ہے۔

کچھ عرصہ ہوا حیدرآباد کی انجمن ترقی اردو نے ان سے اردو ہال کے لیے کچھ مدد چاہی۔ انھوں نے ایک معقول رقم کا چیک بھیجا اور یہ لکھا کہ گو میں اردو نہیں جانتا مگر چوں کہ یہ میرے چند پرانے دوستوں کی زبان ہے اس لیے مجھے اس سے محبت ہے اور میں اس کی ترقی کا خواہش مند ہوں۔ رقم کی اہمیت نہیں، لیکن یہ جذبہ کتنا عظیم ہے۔ کتنا قابل قدر ہے۔

اردو دوستوں کو فارسٹر سے سبق لینا چاہیے۔ انھیں اپنی زبان سے محبت کے ساتھ دوسری زبانوں سے بھی لگاؤ اور انس پیدا کرنا چاہیے اور اچھے ادب کی خواہ وہ کسی زبان میں ہو قدر کرنی چاہیے اور ان سے خواہ ترجمے کے ذریعے سے ہی ہو کچھ نہ کچھ واقفیت پیدا کرنی چاہیے۔ انگریزی تو ایک عالمی زبان ہے، اس سے تعلق یقیناً مفید ہوگا لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم جدید ہندوستانی زبانوں سے بھی دوستی اور محبت کا رشتہ اور استوار کریں۔

سیمین

کچھ لوگ رسم سے بھی بڑا کام لیتے ہیں اور اسے ذہنی توانائی کا ایک خزانہ بنا دیتے ہیں۔ ہم بڑی اور اچھی باتوں کو بھی ایک رسم بنا لیتے ہیں اور اسے صرف ایک تماشا سمجھتے ہیں۔ یہ رسم کانووکیشن اور اس کے خطبے کا ہے۔ ہر جگہ کسی بڑے آدمی کو بلایا جاتا ہے جو تعلیم کے مسئلے پر کچھ بنیادی باتیں کہتا ہے۔ پھر ہمارے نظام تعلیم کی خرابیاں گنواتا ہے۔ اساتذہ کو فہمائش کرتا ہے کہ وہ اپنے فرض سے غافل ہیں اور طلبا کو ضبط و نظم کا درس دیتا ہے۔ جو باتیں برسوں سے کہی جاتی رہی ہیں انھیں پھر دہرایا جاتا ہے۔ کچھ سماجی، کچھ اخلاقی قدروں کا ذکر ہوتا ہے اور تان اسی پر ٹوٹتی ہے کہ اگر اساتذہ اور طلبا فرشتے ہو جائیں تو ہندوستان جنت بن جائے۔ گویا ملک میں ساری خرابیاں اس وجہ سے ہیں کہ اساتذہ اور طلبا اپنے فرائض سے غافل ہیں۔ سب نیتا قوم کی خدمت کرتے کرتے مرے جا رہے ہیں، سرکاری افسر نہایت فرض شناس ہیں اور ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو کاہل یا بے ایمان ہو، پولیس نہایت چوکس ہے، نہ چوری ہے نہ سینہ زوری، نہ رشوت ہے نہ نفع خوری۔ صرف اساتذہ اور طلبا کا طبقہ ہے جسے اپنے ملک کی یا علم و حکمت کی خدمت سے کوئی واسطہ نہیں۔

اب حال یہ ہے کہ یہ خطبے محض ایک رسم بن گئے ہیں۔ سامعین غور سے انھیں سنتے بھی نہیں، ان پر عمل کرنا تو دور کی بات ہے۔ پھر ایک خطبے میں انگریزی کی اہمیت پر زور ہوتا ہے اور دوسرے میں ہندی کی، تیسرے میں علاقائی زبانوں کی۔ ملک میں پچپن یونیورسٹیاں ہیں۔ زیادہ تر اسی زمانے میں کانووکیشن کرتی ہیں۔ جن کو ڈگری ملتی ہے ان کے لیے یہ خوشی ہے، باقی سب کے لیے رسم۔ کاش خطبے مختصر ہوتے، کاش یہ ان کو چھپے ہوئے تقسیم کیے جاتے جن کے لیے دیے جاتے ہیں۔ کاش ان میں چند بنیادی پہلوؤں پر توجہ ہوتی۔ طول طویل بحثیں، تاریخی جائزے، علم کی نمائش نہ ہوتی۔

کوئی کانفرنس ہو، سیمینار ہو، مشاعرہ ہو، ادبی تقریب ہو، اب صرف ایک صدر کافی نہیں۔ ایک سے افتتاح کرنے والا بھی ہونا چاہیے۔ اور پھر ایک خیر مقدم کرنے والا اور ایک شکر ادا کرنے والا۔ اس طرح کم سے کم چار بڑے آدمیوں کو نوازا جا سکتا ہے۔ چار نہ سہی کم از کم دو تو ضروری ہیں۔ کانفرنس یا سیمینار کرنے والوں کو یا تو اپنے اوپر اعتماد نہیں ہوتا، یا وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کسی بڑے آدمی کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے جس سے آئندہ کاموں میں سہولت مل سکتی ہے۔ یا پھر ملاقات کے لیے ایک تقریب تو ہے ہی۔ یہ بڑے آدمی بھی خوب ہیں۔ صدارت یا افتتاح کے لیے ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ کوئی وزیر ہو یا نیتا ہو یا بڑا افسر ہو، اس کا زیادہ وقت کسی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے، کسی کانفرنس کا افتتاح کرنے، کسی مرحوم کو خراج عقیدت پیش ✽

✽ کرنے کے جلسوں میں گزرتا ہے۔ یہ لوگ اپنا منصبی کام کس وقت کرتے ہیں۔ ضرور ان کے قبضے میں کوئی جن ہے، ورنہ ایک عام آدمی کے بس کا تو یہ روگ نہیں۔ ہمارے یہاں اچھے اچھے آدمیوں کو یا تو عہدوں نے بیمار ڈال دیا، یا کانفرنسوں اور جلسوں میں تقریروں نے۔ کاش ہم اپنے اچھے آدمیوں کی اس طرح حفاظت کرتے جس طرح اپنی ذاتی چیزوں کی کرتے ہیں۔

سید تفضل حسین ایم۔ اے

اُردو کا مستقبل حقیقت کے آئینہ میں

(سلسلۂ "کیا مشاعروں اور فلمی غزلوں سے اُردو زندہ رہ سکتی ہے؟")

آج کل "ہماری زبان" میں اردو کے مستقبل کے موضوع پر ایک بحث چھڑی ہوئی ہے۔ امید افزا اور مایوس کن حالات کی نشان دہی کے لیے جو مضامین اخبار کے صفحات پر جلوہ گر ہو رہے ہیں وہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ جزوی طور پر حقیقت کے کسی ایک پہلو کی عکاسی ضرور کرتے ہیں۔ ہر مضمون نگار نے اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اپنے نزدیک صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں تک فاضل مضمون نگاروں کی ذاتی معلومات کا تعلق ہے ہم کو ان کے استدلال کے طریقے اور نتائج کے استنباط کے ڈھنگ سے کوئی اختلاف نہیں۔ ہر ایک نے تصویر کے جس رُخ کو دیکھا ہے اُس حد تک ان کا بیان صحیح اور حقیقت پر مبنی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس بات کو تقریب قریب سب نے نظر انداز کر دیا ہے کہ تصویر کے مختلف رُخ اور حقیقت کے مختلف زاویے ہوتے ہیں، ان سب کو ہی سامنے رکھ کر کُلی طور پر کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ ورنہ ہاتھی کے مختلف اعضا کو ٹٹول کر ہر عضو کو پورے ہاتھی کا مجسمہ قیاس کر لینا حقیقت سے ناآشنائی کے مترادف ہے۔ خواہ وہ قیاس جزوی طور پر کتنا ہی صحیح کیوں نہ ہو۔

جو صاحب فلمی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور وہاں اردو زبان کی گرم بازاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں اُن کو یقیناً یہ گمان ہونا چاہیے کہ اردو صرف زندہ ہی نہیں بلکہ تندرست و توانا ہے۔ مگر بخلاف اس کے جو حضرات اسکولوں اور کالجوں میں اردو کی سقیم حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا مایوسی کے عالم میں نوحہ خوانی شروع کر دینا بھی فطری عمل ہے۔ صحافت اور اخباری دنیا سے جن کا تعلق ہے وہ یہ دیکھ کر خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں کہ اخبار و رسائل کی کثیر تعداد کے پیش نظر اردو ملک پر چھائی ہوئی ہے۔ لیکن جن کا علاقہ کتب خانوں، چھاپے خانوں اور پبلشروں سے ہے وہ کتابوں کی نایابی اور اردو کی کساد بازاری سے گرتی ہوئی حالت کا اندازہ لگا کر ہائے واویلا مچانے پر مجبور ہیں۔ جن کو عوام سے ملنے جلنے اور خواص کی تقریریں سننے کے مواقع ملتے ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ اردو کے خلاف طوفان بدتمیزی کے باوجود عوام و خواص کی زبان پر اردو چڑھی ہوئی ہے تو وہ رجائیت کے عالم میں اردو کے حق میں کوس لمن الملک بجانے پر تیار ہو جاتے ہیں، مگر جو لوگ ریاستی حکومت کی پالیسیوں، حکام کی کارگزاریوں اور دفتری کارروائیوں کی اردو کشی پر نظر رکھتے ہیں وہ مایوسی کی حالت میں چیخ اٹھتے ہیں کہ ہائے اردو کو مٹایا جا رہا ہے۔ جو اردو کے مشاعروں اور ادبی محفلوں میں ہندو مسلمانوں کے جم غفیر کو جوش و خروش کے ساتھ جھوم جھوم کر واہ واہ کے نعرے بلند کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پورے ہندوستان میں اردو کا طوطی بول رہا ہے۔ مگر جو حضرات سائن بورڈوں، میلوں کے پتھروں اور ٹکٹوں کے چہروں سے اردو کو غائب دیکھتے ہیں وہ اردو کی جوانمرگی پر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنے لگتے ہیں۔

الغرض اردو کے مخلص دوست اپنے مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں کسی حد تک اپنے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں لیکن اردو کے مستقبل کا صحیح فیصلہ کرنے کے لیے پورے حالات کا جائزہ لینا، زبان کے ارتقائی اصولوں کو پیش نظر رکھنا، اردو کی آئینی حیثیت کو سمجھنا اور پھر اپنی عملی صلاحیتوں کو پرکھنا بھی ضروری ہے۔ آج کی صحبت میں ہم انہی حالات کا تجزیہ کر کے نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

ملک کے عام حالات کے پیش نظر اردو کے حق میں تعمیری اور تخریبی دونوں قسم کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ لیکن اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اب تعمیری کوششوں کا تخریبی سرگرمیوں کے مقابلہ میں روز بروز پلہ بھاری ہوتا جا رہا ہے اور جتنا زمانہ گذرتا جائے گا اتنا ہی ان کا وزن اور بڑھتا جائے گا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہندی کے نادان دوستوں کو مسلسل ناکامیوں کے بعد اب اپنی غلط روی کا احساس ہوتا جا رہا ہے بقول حضرت فراق گورکھپوری "ہندی کی جبڑا توڑ، زبان مروڑ اور لب سکوڑ" شکل جو انھوں نے بنا دی ہے اُسے قبول کر کے بھارت کی جنتا اپنا منہ بگاڑنا نہیں چاہتی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو دشمنی کے جنون میں بیچاری سیدھی سادی ہندی کا ستیاناس کرنے والے اب کچھ ہوش میں آ چلے ہیں اور نہیں آئیں گے تو زمانہ جھنجھوڑ کر ان کا نشہ ہرن کر دے گا۔ جو سکہ وہ چلانا چاہتے ہیں نہ پہلے کبھی ملک میں رائج ہوا اور نہ آئندہ رائج ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس لسانی عصبیت نے ملک میں ایک سیاسی عصبیت کو جنم دے دیا ہے جو ملک کی سالمیت کے لیے خطرے کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اردو بیچاری تو کس مپرسی کے عالم میں دور سے بیٹھی ہوئی اپنی مقبولیت کا تماشا دیکھ رہی ہے۔ مگر دوسری زندہ زبانیں جن کی پشت پر علاقائی اور سرکاری طاقتیں کارفرما ہیں دانت پیس پیس کر چاروں طرف سے اس مصنوعی اور غیر فطری ہندی پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسی ہٹ کی شدت ہندی کے بیچارے بڑے بڑے پنڈت اور ودوان جب گلا پھاڑ کر اور زبان مروڑ کر کسی ٹھیٹ فارم پر بولتے یا اسکولوں میں ودیارتھیوں کو شدھ ہندی پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ روڑے خود ان کے حلق میں اٹک کر رہ جاتے ہیں اور وہ اور ان کے شش مجبور ہو کر اپنے خیالات و جذبات کی صحیح ترجمانی کے لیے آپس کی بول چال میں وہی رواں دواں صاف

اور ستھری اردو بولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور جب شدھ ہندی کا پرچار اور اردو کے خلاف اتیاچار کرنے پر آتے ہیں تب اسی زبان کو اپنا آلۂ بناتے ہیں کیوں کہ سمجھتے ہیں کہ عوام تک رسائی کا ذریعہ سوائے اس کے اور کوئی دوسری زبان نہیں ہو سکتی۔

اب زمانہ آہستہ آہستہ بدل رہا ہے اور جوں جوں وقت گزرتا جائے گا۔ انگریزوں کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کے اثرات اور تقسیم ملک کی تلخ کامیوں کے جذبات سرد اور ماند پڑتے جائیں گے اسی قدر جوش پر ہوش کا غلبہ ہوتا جائے گا اور وہ دن جلد آئے گا کہ ہمارے یہی اردو دشمن بھائی جو اپنے ورثے سے انکار کرتے ہیں خود اس کو چھاتی سے لگانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ملک میں ایسی فضا پیدا ہو چلی ہے اور کبھی کبھی مخالف حلقوں کی طرف سے بھی اردو کی موافقت میں خوش آیند آوازیں سننے میں آنے لگی ہیں۔ کل جو اردو کو ملکی زبان ماننے کے لیے تیار نہیں تھے آج کھلے لفظوں سے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے لگے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کی پشت پر ہر مذہب و ملت کے سنجیدہ اور انصاف پسند ہندوستانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے اور اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ آنند نرائن ملا اور فراق گورکھپوری جیسے سیکڑوں حق پسند حضرات کمر کس کر میدان میں اتر آئے ہیں جو کسی حالت میں بھی اپنے اس موروثی ترکے کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔

پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں ممبران اور وزیروں کو اردو کے ساتھ ناانصافی کا احساس ہو چلا ہے۔ ہمارے وزیر اعظم جو ملک کی آزادی کے سب سے بڑے رہنما اور ایوان جمہوریت کے سب سے بڑے معمار ہیں اکثر اردو کے ساتھ ناانصافی پر کڑھتے رہتے ہیں۔ اگرچہ اب تک ان کی آواز پر کچھ ریاستی حکومتیں کان نہیں دھرتیں۔ مگر اندر اندر وہ دلوں میں گھر کر رہی ہے اور ملک کا سمجھ دار طبقہ حقیقت آشنا ہوتا جا رہا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے راجیہ سبھا میں لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی پانچویں رپورٹ پر بحث کے دوران یوپی میں اردو کے ساتھ ناانصافی برتنے پر بڑی لے دے ہوئی اور مرکزی حکومت کے ذمہ داروں کو ریاستی حکومت کی کوتاہیوں کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔ اس سے پہلے ریڈیو کی ثقیل اور ناقابل فہم ہندی نشریات پر ملک میں جب واویلا مچا تو حکومت کو عوام کے مطالبے کا لحاظ رکھنا پڑا۔ ہم اب بھی زندگی کے ہر شعبے میں جس کا تعلق براہ راست عوام سے ہے اردو ہی کا طوطی بولتے دیکھ رہے ہیں۔

کشمیر، آندھرا پردیش اور دہلی میں اردو کو کسی حد تک علاقائی پوزیشن حاصل ہو گئی ہے۔ بہار، بنگال، کیرالا، میسور، مدراس، راجستھان، مدھیہ پردیش، ہماچل پردیش اور مہاراشٹر اور سوراشٹر میں اس کے خلاف کوئی لسانی تعصب نہیں پایا جاتا۔ حکومتوں کا رویہ ہمدردانہ ہے وہاں دفتری نظام کی وجہ سے دقتیں ہو جاتی ہیں اب صرف اس کی جنم بھومی اترپردیش ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں اس کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔

مندرجہ بالا خیالات کے پیش نظر مایوسی کی بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ہمت و جرأت، حوصلے اور استقلال سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ احساس کمتری کو بالائے طاق رکھ کر اپنے لسانی حقوق کے تحفظ کے لیے آئین و قانون کے دائرے میں امن پسندانہ طریقوں سے برابر جد و جہد کرتے رہنا چاہیے۔ آئین نے اردو کو ہندوستان کی چودہ زبانوں میں ایک زندہ زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور اس کے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔ وزرائے تعلیم کے متفقہ فیصلے کی رو سے سہ لسانی فارمولے میں ہی جدید ہندوستانی زبان پڑھانے کی سفارش کی گئی ہے۔ اگر یو۔پی کی حکومت سنسکرت جیسی کلاسیکی زبان کو اس میں جگہ دیتی ہے تو زیادتی کرتی ہے اس حکم پر نظر ثانی ہونی چاہیے۔

جہاں تک زبان کے ارتقائی منازل کا تعلق ہے ماہر لسانیات اچھی طرح جانتے ہیں کہ زبان اوپر سے ٹھونسی نہیں جاتی بلکہ خود بخود اندر سے پھوٹتی ہے۔ موافق جغرافیائی آب و ہوا میں پروان چڑھتی ہے اور اپنے بولنے والوں کے لب و لہجہ کی گرمی سے پھلتی پھولتی ہے۔ اردو وہبی اور فطری عمل کی پیداوار ہے۔ متعصب یا مخالف کے حربے اس کو مردہ و پامال نہیں کر سکتے۔ صدیوں تک کھڑی بولی کی سرزمین میں اس کی کونپلیں پھوٹتی رہیں۔ پنجاب و دکن کی آب و ہوا میں شاخیں نکلیں اور پھر کھڑی بولی کے علاقے دہلی اور اس کے گرد و نواح میں آکر یہ پھلی پھولی۔ اب یہ ایک ایسا تناور درخت ہے جس کو باد و باراں کے سخت سے سخت طوفان اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے جب تک دیش کی جنتا اس کی سینچائی کرتی رہے گی۔ دنیا میں وہی زبان قبولیت کا درجہ حاصل کرتی ہے جو عوام کے لب و لہجہ کے مطابق ہو۔ اردو سے پہلے بھارت کے مختلف علاقوں میں مختلف عوامی بولیاں (اپ بھرنشیں) مختلف زبانوں میں بولی جاتی رہی ہیں۔ جب بھی کبھی سنسکرت کو اس پر لادنے کی کوشش کی گئی عوامی ہیجان برپا ہو گیا۔ برہمنی نظام درہم برہم ہو گیا۔ بودھ دھرم اور جین مت کا عروج کسی زمانہ میں عوامی بولیوں کی مقبولیت اور سنسکرت سے نامانوسیت کا ہی نتیجہ تھا۔

اردو بھی بھارت کی ایک عوامی زبان ہے اور ہندی کی طرح عوامی بولیوں کا نچوڑ ہے۔ ہندی کے تدبھو الفاظ کے محاوروں، اصطلاحوں اور کہاوتوں سے بھرپور ہے۔ سنسکرت اور مختلف عوامی بولیوں کے الفاظ محاوروں کو تراش خراش کر صاف و سڈول بنا کر اس زبان کی تہذیب و تربیت کی گئی ہے۔ عربی فارسی کے لگ بھگ دو ڈیڑھ ہزار الفاظ اور ان میں سے بھی بہت سے اپنی ہندوستانی شکل بدل کے اس میں اس طرح گھل مل گئے کہ جدا نہیں کیے جا سکتے۔ ان سے ہندی کا روپ اور نکھر گیا ہے۔ جو ہندو مسلمانوں کی زبان میں اس طرح رس بس گئے ہیں کہ ہر عام و خاص اپنے اظہار خیال کے لیے بات بات میں بلا تکلف ان کو بولتا ہے۔ اس ہندوستانی زبان کو پنپانے، سنوارنے اور نکھارنے میں بھارت کی

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

غزلیں

سہیل حسرت الکوام

کہہ رہی ہے یہ مرے عشق کی بالغ نظری
ہوش سے بڑھ کے نہیں اور کوئی بے خبری
لگ گئی آگ تھی اک بار پئے پرسشِ دل
بدگماں مجھ سے اب تک مری آشفتہ سری
کور چشموں کے لیے ایک ہے ظلمت ہو کہ نور
جلوۂ صبح سے جاتی ہے کہیں بے بصری؟
کیا نہ تھا اور چمن میں کوئی شبنم کے سوا؟
صبح کی مانگ بھری بھی تو بھلا کس نے بھری!
جگرِ لالہ کو ٹھنڈک کی ضرورت تھی بہت
کام آ ہی گئی آخر مرے اشکوں کی تری
کیا کوئی لازمۂ شوق ہے محرومی بھی؟
مانگتا ہوں میں دعاؤں کے لیے بے اثری
ان کی محفل میں نہ پیغام کوئی لائی ہو
گنگناتی ہوئی آئی ہے نسیمِ سحری
دیدۂ حسرت سے ٹپک ہی پڑے آنسو حسرت
نخلِ امید کی دیکھی نہ گئی بے ثمری

ادیب مالیگانوی

دنیا مجھے دیتی ہے جو غم اور زیادہ
ہنستا ہوں ترے سر کی قسم اور زیادہ
میں اپنی نگاہوں میں ابھی ہیچ نہیں ہوں
فرمائیں نہ وہ مجھ پہ کرم اور زیادہ
کھلتی گئی بے چارگیٔ عشق جہاں تک
بڑھتے گئے اس زلف میں خم اور زیادہ
دیتے رہے دیتے رہے تسکین وہ ہم کو
مٹتے گئے مٹتے گئے ہم اور زیادہ
اک دور کا جلوہ سہی اے شاہدِ منزل
یوں ورنہ بہکتے ہیں قدم اور زیادہ
بھڑکے گی ادیب اور لگائی ہوئی میری
دیکھے گا یہ معمورۂ غم اور زیادہ

مختار الہاشمی

تھی عشق سے جب بحث کہ میں مدہوش تھا — غمِ دل کیا غمِ ہستی مجھے محسوس نہ تھا
ہم نے بھی شمعِ تجلی کو دیا دل میں مقام — کوئی اس شعلۂ آوارہ کا ہم دوش نہ تھا
میرا دل ہے مقابل نہ کرے دیدۂ تر — یہ تو مایوس تمہاری حسرت بھی مایوس تھا
کثرتِ جلوہ جسے کہتا ہے پروانۂ طور — عکسِ فانوس تھا حسن میں فانوس تھا

آندھرا میں اردو کی علاقائی حیثیت

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے ریاست میں مختلف اغراض کے لیے اردو کو تسلیم کروانے کی غرض سے سات نکاتی یادداشت حکومت کو پیش کی تھی جس کے جواب میں حکومت نے بیان دیا ہے کہ ریاست کے سکریٹریٹ میں اہلکارانہ اور عدالتی خدمات پر ریاست تقرر کے لیے اردو کو علاقائی زبان قرار دے دیا گیا ہے۔ بیان میں یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ریاست کے ان تمام حصوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی آبادی ۱۵ تا ۲۰ فیصد ہو تمام اہم قوانین، قواعد اور گشتیات و اعلانات اردو میں بھی شایع کیے جاتے ہیں۔ اردو میں درخواستیں قبول کرنے کی سہولت اب بھی موجود ہے اور ان کے ساتھ تلنگی درخواستوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ البتہ ان درخواستوں کا اردو میں جواب دینا ضروری نہیں۔ گزیٹڈ اور نان گزیٹڈ ملازمتوں کے لیے جن کے لیے زبان دوم کا امتحان ضروری ہو اردو کو بھی زبان دوم قرار دینے کے لیے انجمن کی تجویز منظور کر لی ہے۔ اردو میں تعلیم دینے کی بھی خاطر خواہ سہولتیں موجود ہیں نیز ثانوی مدارس میں اردو بولنے والے طلبا کی تعداد فی جماعت دس اور پورے اسکول میں ۳۰ ہو یا چھٹی سے گیارھویں جماعت تک طلبا کی تعداد ۴۵ ہو تو اس کو کافی قرار دیتے ہوئے ان کے لیے اردو میں تعلیم دینے کا انتظام کیا گیا ہے۔ تمام اضلاع میں تقررات کے لیے اردو کو علاقائی زبان تصور کیا جائے۔

حکومت نے محکمۂ داخلہ سے خواہش کی ہے کہ وہ پبلک سروس کمیشن کے صلاح و مشورے سے عدالتی اہلکارانہ خدمات کے قوانین میں ضروری ترمیم کرے تاکہ اضلاع گنٹور، کرنول اور کڑپہ میں اردو کو بھی علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ حکومت نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ تعداد موجود ہے وہاں اردو میں بھی سائن بورڈ لگائے جاتے ہیں۔ ریاستی اسمبلی و کونسل کے ارکان صدر یا اسپیکر کی اجازت سے اردو استعمال کر سکتے ہیں۔

راجیہ سبھا میں اردو کے مسئلہ پر بحث

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ پر بحث کے دوران مسٹر پی۔ این سپرو (کانگریس یو۔ پی) نے کہا کہ اگرچہ حکومت نے اردو کے معاملہ میں فراخ دلی سے کام لیا ہے اور اس کا اچھا ثبوت آندھرا۔ کیرالا اور بہار میں ملتا ہے لیکن اتر پردیش میں اردو کی پوزیشن سے ہم مطمئن نہیں ہوں۔ صوبہ میں تحصیل کی سطح پر اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔

یو۔ پی میں سول سروس کے انتخابات میں سوالات کے جواب اردو میں نہیں بلکہ ہندی یا انگریزی میں دینا ہوتے ہیں۔ ہندی ایک لازمی مضمون ہے۔ ہندوستان جیسی غیر مذہبی مملکت میں اردو کے ساتھ

جو اسی ملک کا ورثہ ہے سوتیلی ماں جیسا سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ لوگوں میں یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اردو کے خلاف فرق و امتیاز سے کام لیا جا رہا ہے۔ انھوں نے سندھی کو بھی مناسب مقام دیے جانے کی وکالت کی۔

مسٹر این۔ ایم انور (کانگریس مدراس) نے کہا کہ اقلیتوں میں اعتماد کاغذی تحفظات کے ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ اسی وقت ہوتا ہے جب اکثریت خیر سگالی کے جذبات سے کام لے۔ مجھے تو یہ گمان ہے کہ اردو کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ یہ ہے کہ یہ زبان ہندی سے برتر سمجھی جاتی ہے۔ اردو آٹھ یا نو کروڑ لوگوں کی زبان ہے۔ دکن تو لسانی تعصب سے آزاد ہے۔ لیکن یو۔پی اپنی تنگ نظری کے لیے بدنام ہے۔ عرب دنیا کے ساتھ ہمارے تعلقات کا مفاد اس بات کا متقاضی ہے کہ اردو کو اس کے مناسب مقام پر بحال کیا جائے۔

مسٹر ارجن ارورا (کانگریس یو۔پی) نے اس الزام کی تردید کی کہ یو۔پی میں اردو کے ساتھ برا سلوک ہو رہا ہے۔ مسز انیس قدوائی نے کہا کہ اقلیتی زبانوں کی مناسب حوصلہ افزائی نہیں ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام ترقیاتی پروگراموں سے پوری طرح واقف نہیں ہو پاتے۔ انھوں نے یو۔پی حکومت پر الزام لگایا کہ اس نے سہ لسانی فارمولے کے بارے میں اپنا فیصلہ بدل دیا ہے اور اب اس فارمولے کے تحت سنسکرت کو تیسری زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہ بات وزرائے اعلیٰ اور وزرائے تعلیم کے فیصلے کے سراسر خلاف ہے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ یو۔پی حکومت اپنی ضد پر قائم ہے اور اس نے ہندی کے ساتھ سنسکرت کو علاقائی زبان بنانے کا جو فیصلہ کیا ہے اس پر نظرثانی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان جن کے کلچر اور تاریخ کی بنیاد اردو پر ہے اپنے کو خلا میں محسوس کرتے ہیں۔

مسٹر پیارے لال حالب کریل (سوشلسٹ یو۔پی) نے حکومت پر الزام لگایا کہ اس نے اردو کو جو صرف مسلمانوں ہی کی زبان نہیں ہے ترقی دینے کے لیے پچھلے پندرہ سال میں کچھ نہیں کیا ہے۔ اردو کو ترقی دینے میں تمام فرقوں کی کوششیں شامل رہی ہیں۔

مسٹر کے سنتھانم (کانگریس مدراس) نے کہا کہ سہ لسانی فارمولہ لسانی اقلیتوں کے لیے دراصل چار لسانی فارمولہ بن گیا ہے۔

بہرحال تیسری زبان کے لیے اختیار ہونا چاہیے کہ سنسکرت، اردو یا فارسی میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیا جائے۔

سہ روزہ بحث کا جواب دیتے ہوئے امور داخلہ کے وزیر مملکت مسٹر ہجرنویس نے اعتراف کیا کہ اردو ملک میں سب سے بڑی لسانی اقلیت کی زبان ہے۔ ۱۹۵۸ء میں ہی یہ ہدایات جاری کی جا چکی ہیں کہ اردو کو ابتدائی اور آگے کے درجوں میں برقرار رکھا جائے۔ اور صوبائی حکومت کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ دفتروں میں اردو کی دستاویزیں قبول کیا کریں۔ میں اس رائے سے بھی اتفاق کرتا ہوں کہ مادری زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے سے ہی شخصیت اُبھر سکتی ہے مگر یہ معاملہ ایسا ہے جس کے بارے میں فیصلہ صوبائی حکومت کو کرنا چاہیے۔

مسٹر شام کماری خان (کانگریس یو۔پی) نے کہا کہ یو پی کے اردو اسکولوں میں ٹیچروں اور طالب علموں کی تعداد دوگنی ہو گئی ہے پھر بھی رفتار سست ہے۔ اور مزید پرائیویٹ اسکول کھولنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر ضیا داؤد (کمیونسٹ) نے لسانی اقلیتوں کے کمشنر کو اپنی سفارشات پر عمل درآمد کرنے کے لیے مزید اختیارات دینے کی سفارش کی۔

مگدھ یونیورسٹی میں اردو ایم اے کی تعلیم

بحوالہ معاصر مورچہ۔ شری کلام حیدری ممبر سینیٹ نے وائس چانسلر مگدھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے میں اردو کلاس کھولے جانے کے سلسلے میں بات چیت کی۔ وائس چانسلر نے شری حیدری سے اس بات کا وعدہ کیا کہ بہت جلد مگدھ یونیورسٹی میں اردو میں ایم۔ اے کلاس کھول دیا جائے گا۔

امید کی جاتی ہے کہ سینیٹ کی میٹنگ میں اردو میں ایم اے کلاس کی تجویز پاس کرالی جائے گی۔ اکیڈمک کونسل میں اس کے متعلق تجویز پاس ہو چکی ہے۔

ہندی کا جنون قومی اتحاد کے لیے خطرناک

مرکزی وزیر معدنیات مسٹر سبرامنیم نے مہاکوی سبرامنیا بھارتی کے یوم پیدائش کی تقریب میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندی کا جنون قومی یکجہتی اور ملک کے اتحاد کے لیے خطرناک ہے۔ ملک ایک مربوط قوم کی حیثیت سے اپنی تعمیر کے کام میں مصروف ہے۔ بدقسمتی سے زبان کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہے۔ زبان عوام کو متحد بھی کرتی ہے اور اسی کے ذریعہ پھوٹ بھی ڈالی جا سکتی ہے۔ یہ سوچنا غلط ہے کہ چوں کہ ہندی کو نظم و نسق کی زبان بنایا گیا ہے اس لیے وہ آئین میں تسلیم کی جانے والی واحد زبان ہے حالاں کہ ہندی کو ابھی نظم و نسق کی زبان کی پوزیشن بھی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ ہم کو دوسری زبانوں کا نہ صرف احترام کرنا بلکہ ہندی کو یہ حیثیت دیتے ہوئے دوسری لسانی اقلیتوں کی دشواریوں کو بھی سمجھنا ہوگا۔ ہندی کا جنون قومی اتحاد کے لیے خطرہ ہے۔ کیوں کہ ہندی کو سارے ہندوستان کے لیے نظم و نسق کی زبان بنانا ہے اس لیے ہر شخص کو غیر ہندی لوگوں کے ساتھ رواداری سے کام لینا چاہیے۔ اسے طبقہ وارانہ انداز میں نہیں بلکہ قومی انداز میں حل کرنا ہوگا۔ ورنہ ہمیں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔ اس کو جنون و تنگ نظری کے ساتھ نہیں بلکہ مفاہمت و ہمدردی کے ساتھ حل کرنا چاہیے۔

بھارتی نظموں کا دوسری زبانوں میں ترجمہ

بھارتی کی سالگرہ کے جشن کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے مشورہ دیا کہ بھارتی کی نظموں کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہونا چاہیے۔ اس سے اہل ملک کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کی زبانوں کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔ مگر ترجمہ کا کام قابل اور صاحب زبان ماہروں کے سپرد کرنا چاہیے۔ اگر محکمۂ تعلیم براہ راست اس کام کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تو ساہتیہ اکیڈمی کو اس کام کے لیے آمادہ کیا جائے گا۔

آپ نے ایک سے زیادہ زبانوں کی تعلیمی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ یورپ میں وہی شخص تعلیم یافتہ کہلاتا ہے جو دو تین زبانیں جانتا ہو۔ یہاں ہندوستان میں لوگ اس پر مشتعل ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر شمالی حصہ کے لوگوں کی بڑی تعداد تامل زبان سیکھ لے تو اس سے بجائے نقصان ہونے کے ہندی کی ترقی میں مدد ملے گی۔ آپ نے سہ لسانی فارمولہ کو سراہتے ہوئے کہا کہ اس سے مادری زبان دوسری کوئی ہندوستانی زبان اور انگریزی پڑھنے میں مدد ملے گی۔

پنڈت نہرو ملک میں ایک مشترکہ رسم الخط کے حق میں

بحوالہ انڈین ایکسپریس۔ ۲۱ دسمبر کو بھارتی سنگم کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے پنڈت نہرو نے کہا کہ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک کے اتحاد کو ایک زندہ حقیقت بنا کر دکھایا جائے۔ ملک کی ادبی روایات میں یگانگت پیدا کرنے کے لیے مشترکہ رسم الخط بڑا معاون ثابت ہوگا۔ پھر بھی انھوں نے اس بات سے اتفاق ظاہر کیا کہ اس معاملہ میں کسی قسم کی زبردستی یا دباؤ اتحاد کے مقصد کے لیے نقصان دہ ہوگا اس لیے فی الحال اس کا نعم البدل یہ ہے کہ علاقائی زبانوں کی اچھی کتابوں کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کیا جائے۔ انھوں نے ہندی کے علاوہ جو دوسری زبان بولنے والوں سے کہا کہ ہندی کا خوف دل سے نکال دیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہندی ہم پر مسلط ہو جائے گی۔ دنیا کی کسی زبان کو آج تک دبا نہیں جا سکا جس زبان میں زندگی کی حرارت ہوتی ہے وہ بیرونی دباؤ کے باوجود پھلتی پھولتی ہے۔ ہندی کی تعدادی حیثیت اور طاقت نے اس کی حیثیت برتر کر دی ہے جس سے دوسروں کو خوف زدہ یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جدید دنیا میں کسی زبان کا اثر اس بات پر منحصر ہے کہ وہ سائنس کی زبان اور اصطلاحات کے لیے زیادہ سے زیادہ الفاظ جمع کرے۔

ہندستان کی چودہ زبانوں کا سنگم

بحوالہ ہندوستان ٹائمز۔ بھارتی سنگم کے زیر اہتمام دارالسلطنت میں آئندہ سال تک ایک ایسی سہ منزلہ عمارت بن کر تیار ہو جائے گی جس میں ہندوستان کی چودہ مسلّمہ زبانوں کے ادیب ایک سنگم پر آکر گلے مل جائیں گے۔

اس عمارت کے لیے حکومت نے چانکیہ پوری میں ۱۱۵ ایکڑ زمین کا قطعہ عطا کیا ہے۔ اس عمارت میں ایک گردش کرنے والا تھیئٹر، ایک کمرہ سیمینار کے لیے ایک نمائش ہال، ایک لائبریری اور ۱۴ زبانوں کی تعلیم و مطالعہ کے لیے ۱۴ کمرے ہوں گے۔ یہ عمارت مشرقی فن تعمیر اور جدید فن تعمیر کا ایک حسین و شاندار نمونہ ہوگی۔ یہ سنگم ادب کے ذریعہ جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

دہلی یونی ورسٹی میں توسیعی لیکچر

دہلی یونی ورسٹی کے توسیعی لیکچر کے سلسلے میں ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے ادبی اقدار پر ایک مقالہ پڑھا۔ یہ اجتماع برٹش کاؤنسل کے ممبر مسٹر ملز کی صدارت میں ہوا۔ صدر شعبہ اردو خواجہ احمد فاروقی نے فاضل مقالہ نگار کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی۔

مقالے میں ادبی اقدار کو روح کی آزادی کا اظہار قرار دیا تھا۔ ایک طرف جمال پرستوں کے فن برائے فن کو ناکافی اور ادھورا بتایا تھا اور دوسری طرف ادب میں حقیقت پسندی کے میلان کی حد بندیوں کو واضح کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اعلیٰ ادب اعلیٰ مقصد سے کبھی بھی خالی نہیں ہوتا۔ ادب میں روشنی اور توانائی اعلیٰ مقصد سے ہی آتی ہے مگر اس مقصد کو فکر و جذبے کا نقطۂ اتصال ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی، جرمن، انگریزی اور روسی ادب کا جائزہ لے کر بتایا کہ اعلیٰ ادب میں اخلاقی عظمت کا بھی ایک تصور کارفرما ہے۔

آخر میں صدر جلسہ مسٹر ملز نے جمالیات اور اخلاقیات کے تعلق پر مختصر بحث کرتے ہوئے مقالہ نگار کا شکریہ ادا کیا۔

دہلی یونی ورسٹی میں تھرڈ ڈویژن کا خاتمہ

ٹائمز آف انڈیا کے اسٹاف رپورٹر کے حوالے سے پتہ چلا ہے کہ دہلی یونی ورسٹی نے ۱۹۶۲ء سے تھرڈ ڈویژن کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہائر سیکنڈری کے امتحان میں ۴۰ فی صدی سے کم نمبر پانے والے طلبہ کا داخلہ بی۔ اے میں نہیں ہوگا۔ اکیڈمک کونسل نے دہلی یونی ورسٹی میں ۱۹۶۲ء سے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لیے کچھ اور تجویزوں کے نفاذ کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

آئندہ سے بی۔ اے اور بی۔ اے آنرز کے سیشنل ورکس کے بھی ۲۵ فی صدی نمبر ہوا کریں گے۔

ڈگری کورس کے دو امتحان ہوں گے۔ ایک امتحان دوسرے سال کے آخر میں اور دوسرا امتحان تیسرے سال کے آخر میں ہوا کرے گا۔

"ہماری زبان" سے متعلق خط و کتابت میں اپنا خریداری نمبر ضرور دیجیے

مراسلات

بہار اسٹیٹ اردو وابتدائی تعلیم کی سرگرمیاں

پٹنہ۔ ۱۵ر دسمبر۔ بہار اسٹیٹ اردو وابتدائی کا کونسل کی اطلاع ہے کہ آج ۱۵ر دسمبر روز اتوار ساڑھے دس بجے دن انجمن اسلامیہ ہال میں بہار اسٹیٹ اردو وابتدائی تعلیم کانسل کی پہلی نشست زیر صدارت محمد ایوب صاحب ایڈوکیٹ منعقد ہوئی جس میں مندرجہ ذیل تجویزیں باتفاق آرا پاس ہوئیں:۔

تجویز ۱۔ بہار اسٹیٹ اردو وابتدائی تعلیم کانسل کا یہ جلسہ اس بات پر تعجب وافسوس کا اظہار کرتا ہے کہ وزیر اعلیٰ بہار نے ابھی تک اردو وابتدائی تعلیم کانفرنس کے مجوزہ وفد کو ملاقات کا موقع نہیں دیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں جو خطوط ۱۲ر اکتوبر اور ۳۰ر نومبر کو روانہ کیے گئے ان کے وصول یابی کی اطلاع تک نہیں دی۔

یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ اس تجویز کی ایک کاپی حسب معمول بذریعہ رجسٹری وزیر اعلیٰ کے نام بھیجی جائے اور انھیں پھر توجہ دلائی جائے کہ اس وفد کو وقت دینے میں مزید تاخیر کو راہ نہ دیں۔

تجویز ۲۔ مندرجہ افراد ریاست کے مختلف اضلاع کے صدر مقام کا دورہ کرکے کانسل کے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لیے زمین ہموار کریں گے اور لوگوں کو اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ کریں گے۔

دورہ کرنے والوں کے نام مع مقام جہاں یہ دورہ کریں گے یہ ہیں:۔

(۱) شری رامائن سنگھ اور شاہ مشتاق صاحب ـــــ سنگھ بھوم، رانچی، دھنباد

(۲) غلام سرور اور قیوم خضر صاحبان ـــــ پورنیہ، سہرسا، دربھنگہ اور چمپارن۔

(۳) سید غضنفر نواب دانش اور حافظ مسعود احمد صاحب ـــــ پلامو، ہزاری باغ اور گیا۔

(۴) نثار احمد خاں صاحب ـــــ شاہ آباد، سارن۔

(۵) محمد ایوب صاحب ایڈوکیٹ ـــــ مظفر پور، مونگیر اور بھاگل پور۔

اس کمیٹی کے ہر دورہ میں ریاستی انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا بیتاب صدیقی، بہار اسٹیٹ اردو وابتدائی تعلیم کانسل کے آفس سکریٹری اور آرگنائزر سکریٹری میں سے کوئی ایک صاحب ضرور شریک ہوں گے۔

طے پایا کہ ۳۰ر مارچ ۱۹۶۴ء تک یہ دورے قطعی طور پر مکمل کرلیے جائیں اور ان دوروں کے تجربات اور مشاہدات کی مکمل رپورٹ ۷ر اپریل ۱۹۶۴ء تک دفتر کو دے دی جائے۔ کانسل کی دوسری نشست ۱۲ر اپریل ۱۹۶۴ء کو سہ پہر میں رکھی جائے۔

ایک کتابچہ جلد از جلد شائع کیا جائے جس کے ذریعہ بہار اسٹیٹ اردو وابتدائی تعلیم کانسل کے مقاصد اور لائحہ عمل سے عوام کو واقفیت بہم پہنچ سکے۔

شرکار جلسہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ (۱) محمد ایوب صاحب ایڈوکیٹ (صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو)۔ (۲) مولانا بیتاب صدیقی (جنرل سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو)۔ (۳) غلام سرور ایڈیٹر سنگم (۴) نثار احمد خاں ایڈوکیٹ (۵) شاہ مشتاق احمد (۶) قیوم خضر (۷) سید غضنفر نواب دانش عظیم آبادی (۸) بدیع الزماں خاں ستیا گڑھی (۹) منظور حسن اعجازی مظفر پور۔ (۱۰) حافظ مسعود احمد گیا۔ (۱۱) سید محمد ہارون پھلواری شریف (۱۲) عبدالحفیظ فردوسی (گیا)۔ (۱۳) شری رامائن سنگھ (۱۴) پروفیسر عبدالمغنی (۱۵) پروفیسر عبدالحی (۱۶) الیاس چاندل سنتھال پرگنہ (۱۷) شمس الہدیٰ استھانوی۔ (۱۸) محمد ابوالحسن صدیقی (۱۹) غلام حیدر۔ (۲۰) محمد معین الدین (۲۱) شمیم احمد صدیقی (آفس سکریٹری) وغیرہ

(شمیم احمد صدیقی)

خالی مکان

اردو کے ممتاز شاعر جناب محمد علوی کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ 'خالی مکان' شایع ہوگیا ہے۔

کتاب ظفر منزل۔ شاہ پور۔ نزد بجلی سنٹر احمد آباد سے مل سکتی ہے۔

(فرید احمد)

یوم محمد قلی قطب شاہ (۱۹۶۴ء)

ادارہ ادبیات اردو کے پریس نوٹ کے مطابق اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر، شہر حیدرآباد کے بانی اور آندھرا تہذیب وتمدن کے معمار سلطان محمد قلی قطب شاہ کی ۳۵۱ویں برسی کے موقع پر ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کی طرف سے ۱۱ر ۱۲ر اور ۱۳ر جنوری ۱۹۶۴ء کو یوم محمد قلی قطب شاہ کی سہ روزہ تقاریب منعقد کی جائیں گی ان تقاریب میں جو گنبدان قطب شاہی واقع گولکنڈہ اور ایوان اردو میں منعقد ہوں گی۔ افتتاحی اجلاس، ادبی اجلاس، نمایش آثار قطب شاہی اور محفل شعر وسخن کے علاوہ ایک تلگو اجلاس بھی ہوگا۔ پروفیسر سید علی اکبر صدر ادارہ اور پروفیسر عبدالمجید صدیقی نائب صدر ادارہ کی نگرانی میں ایک مشاورتی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کے جنرل سکریٹری مسٹر امن راج سکسینہ ایڈوکیٹ منتخب ہوئے مسرز آقا حسین ضابطہ، محمد اکبر الدین صدیقی، محمد منظور احمد اور میر سراج الدین علی خاں بالترتیب افتتاحی اجلاس، ادبی اجلاس، محفل شعر وسخن اور نمایش کمیٹی کے معتمدین چنے گئے۔ یوم محمد قلی کی تقاریب کے بانی ڈاکٹر زور مرحوم کے اچانک سری نگر میں انتقال اور سرکاری حالات کے سبب گزشتہ سال یہ تقریب سادگی کے ساتھ منائی گئی تھی۔ یوم محمد قلی کی تقاریب کا آغاز قیام آندھرا پردیش کے فوری بعد ۱۹۵۸ء میں ہوا تھا۔

(وقار خلیل)

حلقۂ عمل

یہ بات واضح طور پر سامنے آجانا چاہیے کہ کارکنانِ اردو کا حلقۂ عمل کیا ہو۔ ہندوستان کی موجودہ لسانی صورتِ حال کا ایک غائر مطالعہ کرنے اور جائزہ لینے کے بعد ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ مستقبل کے ہندوستان میں اردو اور اس کے بولنے والوں کی حیثیت کیا ہو گی۔ بہت سے لوگ خواب دیکھتے ہیں ـــــ اردو یونیورسٹی کا، اردو ریاست، اردو بحیثیت ثانوی سرکاری زبان کا، وغیرہ۔ خواب کی بڑبڑاہٹ سے ہمیں پرہیز کرنا ہے۔ ہمیں بیداری کا نعرہ لگانا ہے۔ اپنی بیل گاڑی پر ہم سیرِ افلاک کا خواب نہیں دیکھ سکتے۔ ہمیں اپنے وسائل پر نظر رکھنی ہے۔ بھارت کی جمہوریت اور اس کے موجودہ جمہوری مزاج پر ہمیں نظر رکھنی ہے۔ ہمیں اپنی قوتوں کا جائزہ لے کر جست کی بلندی متعین کرنی ہے۔

کسی زبان کی زندگی کا اظہار اس زبان کی زندگی اور توانائی پر ہوتا ہے۔ ہماری حالت پہلے ہی خستہ ہے۔ ہمیں اپنے مالی استحکام کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ ہمیں یہاں زندہ رہنا ہے۔ اس کا عہد ہم کرتے ہیں۔ اردو زبان کو ہم اپنی مادی ترقیوں کی راہ میں روڑا بنالیں، ہمیں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔

ہم مقامی زبانیں سیکھیں گے، ہم سرکاری زبان میں مادری زبان جیسی قابلیت پیدا کریں گے، موجودہ لسانی صورتِ حال سے ہم پوری مطابقت پیدا کریں گے، ہم کسی دوسرے سرسید احمد کو جنم دینے کا کام نہیں کریں گے، ہم کسی بھی ہندوستانی زبان سے تعصب نہیں برتیں گے، ہم اس زبان سے والہانہ اور فدایانہ عشق کریں گے، ہم اپنی زبان کی آبیاری اپنے خونِ جگر سے کریں گے، ہم جمہوریہ ہند میں زندہ رہیں گے اور اپنی زبان کو زندہ رکھیں گے، آیئے آج ہم ان باتوں کا عہد کریں۔ (اقبال کرشن)

پنجاب میں اردو کی حالت

تقسیمِ وطن سے پنجاب میں اُردو کو جو ناقابلِ تلافی اور ناقابلِ بیان نقصان اٹھانا پڑا ہے اس کا درست اندازہ شاید ابھی نہ کیا جاسکے لیکن اس نقصان کا احساس ہر جانب پوری شدت کے ساتھ کیا جانے لگا ہے۔ پنجاب میں اردو کو سیاسیات کی قربان گاہ پر چڑھا دیا گیا۔ اور ایسا کرتے وقت سیاسی رہنماؤں نے حقائق کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اردو کو ہر جگہ سے باہر نکال کر پنجابی اور ہندی کو اس کا مقام سونپ کر حکمراں طبقہ بظاہر طمانیت محسوس کر رہا ہے۔ مگر سنجیدہ حلقوں کے نزدیک حکومت کا یہ اقدام نہ صرف غلط بلکہ مضرت رساں گردانا جا رہا ہے۔ حکومت کی تنگ دلانہ اور غلط روش سے کاروباری اور سرکاری اداروں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے نتائج آئے دن منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں۔ جن کے یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

پنجابی ادیبوں کے ایک مختصر گروہ نے اپنی تنگ نظری کے باعث ایک ایسا اسلوب اختیار کیا جس سے ان کی تحریریں سنسکرت آمیز ہندی کی صدائے بازگشت ہو کر رہ گئی ہیں۔ یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اب تک پنجابی ادب پر اردو و فارسی کی گہری چھاپ تھی اور یہی اسلوب اہلِ پنجاب میں مقبول تھا۔ متذکرہ تنگ نظر گروہ نے دانستہ یا نادانستہ پنجابی ادب کی اقلیم سے اردو اثرات کو دور کرنے کی غرض سے جو غیر مستحسن کوششیں شروع کی تھیں وہ بری طرح ناکام ہوئیں اور ان کا انداز و اسلوب پنجابیوں سے پسندیدگی کی سند حاصل نہیں کر سکا نتیجۃً پنجابی ادیبوں کا یہ اردو دشمن گروہ اپنے رویّہ پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کرنے لگا ہے۔ (سوریہ تنویر)

انجمن اسلام بیجاپور وفد کی وزیرِ اعلیٰ سے ملاقات

انجمن کے ایک وفد نے وقف بورڈ اور اردو کے سلسلہ میں وزیرِ اعلیٰ میسور سے مل کر ایک یادداشت پیش کی۔ یادداشت میں مسلم وقف بورڈ کی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھنے کا مطالبہ تھا اور اردو کے سلسلہ میں ریاست میسور کے تازہ فیصلے پر عمل درآمد کرنے کی درخواست کی گئی تھی کہ لسانی اقلیتوں کی ۱۵ فی صدی آبادی کے علاقہ میں سرکاری فیصلے کے مطابق اردو کو بھی سرکاری اغراض کے لیے استعمال کیا جائے۔ اعداد و شمار سے بتایا گیا تھا کہ ریاست میں اردو بولنے والوں کی تعداد چالیس لاکھ سے زیادہ ہے اس طرح وہ کل ریاست میں ۱۵ فی صد سے زیادہ ہیں اور بعض علاقوں میں پچیس فی صدی سے بھی زیادہ ہیں۔ لہٰذا فیصلے پر جلد سے جلد عمل درآمد کی ضرورت ہے۔ چیف منسٹر نے وفد کی گذارشات پر ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ کیا اور ایسے علاقوں میں اردو کو کنڑی کی برابر سرکاری اغراض کے لیے استعمال کرانے کے لیے عہدہ داروں کو متوجہ کرنے کا یقین دلایا۔

مدرسین کی طرف سے مسٹر چھاگلا کی تحریک کی حمایت

بحوالہ ٹائمز آف انڈیا۔ کل ہند سکنڈری اسکول ایسوسی ایشن نے وزیرِ تعلیم مسٹر ایم۔ سی چھاگلا کی اس تجویز کی حمایت کی ہے کہ تعلیمی امور مرکز کے اختیارات کی فہرست میں شامل کر دیے جائیں۔ مسٹر پی۔ راؤ ایسوسی ایشن کے سکریٹری نے کہا کہ ایک وفد عنقریب پنڈت نہرو سے مل کر درخواست کرے گا کہ اسکولوں کے لیے ایک سکنڈری گرانٹ کمیشن کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ ایسوسی ایشن نے وظائف پیشہ کے لیے مدرسین کے حلف انتخاب کو ختم کرنے کی تجویز کی بھی مخالفت کی ہے۔

اردو کا مستقبل حقیقت کے آئینہ میں

(صفحہ ۹ سے آگے)

سب جماعتوں کی کوششوں کا حصہ ہے مشترکہ کوششوں سے بھارت کی یہ سب سے زیادہ مہذب اور شایستہ زبان بن گئی ہے اور دنیا کی بڑی ترقی یافتہ زبانوں کا علم و ادب کے ہر میدان میں مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس کی جڑیں ہماری تہذیب کی رگ و پے میں اس طرح پیوست ہو گئی ہیں کہ اس کے اکھاڑنے کے لیے پورے تہذیبی ڈھانچے کو اتھل پتھل کرنا پڑے گا۔ ہندی کی خراد پر چڑھائے بغیر سنسکرت کے تت سم الفاظ کو جوں کا توں شامل کرنے سے ہندی کا روپ کروپ ہو گیا ہے اور عوام تو عوام خواص تک نہ اسے بول پاتے ہیں اور نہ سمجھ پاتے ہیں۔ ہمارے سابق وزیر داخلہ لال بہادر شاستری نے اپنی کسی تقریر میں صحیح فرمایا تھا کہ جو زبان یو۔پی کی سرکاری کارروائیوں میں استعمال ہوئی ہے اس کے سمجھنے میں میں اپنی صوبائی وزارت کے زمانہ میں ہمیشہ قاصر رہا اور کوئی سرکاری عمل صحیح طور پر حسب منشا نہیں پیش کر سکا۔ تو بتلایئے جب شاستری جی کا یہ حال ہو تو عوام بیچاروں کے پلے کیا پڑے گا۔

اب رہا سوال اپنی عملی صلاحیتوں اور حوصلوں کے پرکھنے کا تو یہ مسئلہ بڑا غور طلب ہے اور فکر و عمل کی صلاحیتوں کو صحت مندانہ تدبیروں کے ساتھ استعمال کرنے کا ہے۔ یوں تو ملک میں جا بجا ہر شہر و قریہ میں مختلف ادبی اور ثقافتی انجمنیں اور مجلسیں اردو کی ترقی و اشاعت کے لیے اپنی بساط کے مطابق اپنے اپنے حلقۂ اثر میں خوش اسلوبی سے کام انجام دے رہی ہیں مگر ان میں سے اکثر کی سرگرمیاں مشاعروں کے ہنگاموں میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں اور ٹھوس کام کوئی ہو نہیں پاتا۔ مشاعروں کی افادیت سے ہم کو انکار نہیں، اردو کی ترقی و ترویج میں ان کا بھی بڑا دخل ہے مگر اردو کا مسئلہ صرف مشاعروں سے ہی حل نہیں ہوتا۔ اور بہت سے کام ہیں جو ضبط و نظم کے ساتھ انجام دینے ہیں۔

دوسرے ان انجمنوں کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ان کی کوئی مرکزی حیثیت نہیں۔ ہر ایک نے اپنے لیے ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا رکھی ہے اور ان میں بھی معاصرانہ چشمکیں رہتی ہیں۔

انجمن ترقی اردو ہی ایک ایسا مرکزی ادارہ ہے جس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں۔ اس کی ۳۰۰ شاخیں ملک کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہیں اس میں اگر ایک پالیسی کے ماتحت نظم و ضبط اور سرگرمی سے کام ہو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ جبھی ہو سکتا ہے جب کہ عوام کی حمایت اور ان بے شمار مختلف النوع انجمنوں کا پرخلوص تعاون اس کے ساتھ ہو اور سب مل کر انجمن ترقی اردو ہند کی مرکزی حیثیت کو تسلیم کر لیں۔

قابل عمل کام

(۱) سب سے پہلے تو اردو کے متعلق فرقہ وارانہ رجحان کا خاتمہ کرنا ہے کیسی ایک فرقہ یا طبقہ کی زبان نہ کبھی رہی نہ آیندہ ہو سکتی ہے۔ یہ ایک مشترکہ ترکہ ہے جو ہمارے باپ دادوں سے ہم کو ورثہ میں ملا ہے۔ ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی سب ہی کی مشترکہ کوششوں سے حاصل کی ہوئی دولت ہے۔ پہلے تو کچھ سر پھرے ہندو بھائی ناشدنی حالات سے متاثر ہو کر اس کو مسلمانوں کی زبان بنانے پر مصر تھے، اب اپنی مسلسل ناکامیوں سے مایوس ہو کر مسلمانوں کا ایک طبقہ اس کو مشرف بہ اسلام کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ہندوستان کی لسانی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہوگا۔ اردو پر اس قسم کے رجحان کے حملہ کا ہر محاذ پر مقابلہ کرنا ہوگا۔

(۲) اردو کے دوستوں اور ہمدردوں کے حلقہ کو بلا امتیاز مذہب و ملت زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا۔ اور مخالفوں کو حتی الامکان ہموار کرنا ہوگا۔

(۳) ہندی کو قومی زبان کی حیثیت سے نیک نیتی اور خوش دلی سے تسلیم کرنا اور سنسکرت کو ایک قابل احترام کلاسکی زبان کا درجہ دینا ہوگا۔

(۴) اردو کو ثقیل و نامانوس عربی و فارسی الفاظ سے پاک کر کے اور زیادہ سلیس اور رواں دواں بنانا ہوگا جو عوام سے اور زیادہ قریبی رشتہ جوڑ سکے۔

(۵) اردو کے رسم الخط کی خامیوں کو دور کرنے کی تدابیر پر غور کرنا اور جو تجاویز منظور ہوں ان پر عمل کرانا ہوگا۔

(۶) لسانی اقلیتوں کے مسئلہ کو ریاستوں کے ہاتھ سے نکال کر مرکزی حکومت کے اختیارات میں لانے کی جد و جہد کرنا ہوگا۔

(۷) ریاستوں میں تعلیمی یکسانیت پیدا کرنے کے لیے مرکز کے اختیارات میں توسیع کا مطالبہ کرنا ہوگا۔

(۸) یو۔پی میں اردو کو بلا شرکت غیرے علاقائی زبان کی حیثیت سے سہ لسانی فارمولے میں شامل کرانے کی مسلسل جد و جہد کرتے رہنا ہوگا۔

(۹) بچوں کو ہر اسکول میں اردو پڑھنے کی ترغیب دینا۔ ان کی مادری زبان اردو لکھوانا اور اردو تعلیم کا انتظام کرانا ہوگا۔

(۱۰) دیہات، قصبات اور شہروں میں جا بجا اردو ذریعہ تعلیم کے اسکول کھلوانے کی جد و جہد کرنا ہوگا۔

(۱۱) جا بجا اردو لائبریریوں اور دار المطالعوں کا جال بچھا دینا ضروری ہے۔

(۱۲) ملک میں کسی مناسب مقام پر ایک اردو یونیورسٹی کے قیام کا مطالبہ کرنا اور اس کے لیے جد و جہد کرنا۔

(۱۳) ان سب کاموں کے لیے سرمایہ کی فراہمی کے ذرائع کا انتظام کرنا۔

(۱۴) اردو سے متعلق ہر کام میں مشورے اور تعاون کے لیے انجمن ترقی اردو ہند سے رجوع کرنا۔

(۱۵) مناسب مرکزی مقامات پر اردو کی کتابوں کی طباعت و اشاعت کے لیے معقول اداروں کے قیام کا انتظام کرنا۔

(۱۶) اردو اخباروں اور رسالوں کی سرپرستی کرنا اور ان کے معیاروں کو اونچا کرنے کے لیے دامے درمے اور سخنے مدد کرنا۔

اگر مندرجہ بالا تجاویز پر نظم و ضبط جوش و ہوش کے ساتھ ہندوستان گیر پیمانہ پر کام کیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب لسانی عصبیت کا خاتمہ

کے لیے خاطر ہو جائے اور اردو کو اس کا جائز مقام مل جائے۔ ان امور کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے ہندی اردو سے متعلق تمام غیر متعصب انجمنوں کو انجمن ترقی اردو کی سرکردگی میں بالاتفاق ایک مشترک طریق کار اختیار کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور انجمن ترقی اردو ہند کو ان ذمہ داریوں کو سنبھالنا ہے۔

اردو کے متعلق پالیسی پر عمل درآمد کا وعدہ

آندھرا پردیش کے چیف منسٹر شری نیلم سنجیوا ریڈی نے آج ایوان اسمبلی میں کہا کہ ریاست کی اردو داں آبادی کو اگر واقعی کوئی دشواری پیش آرہی ہو اور اگر اس کی کوئی جائز شکایات ہوں تو حکومت اس کی جانچ پڑتال اور ازالہ کے لیے تیار ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو کے تعلق سے حکومت کی طے شدہ پالیسی سے ضلع پریشدوں کو آگاہ کیا جاچکا ہے۔ اگر اضلاع میں اردو داں طبقہ کو کوئی جائز شکایت ہو تو اس کے ازالہ کے لیے ضلع پریشدیں خود بھی کارروائی کرسکتی ہیں۔

چیف منسٹر نے جو شری صلاح الدین اویسی کے ایک استفسار کا جواب دے رہے تھے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا کہ ضلع پریشدیں اردو جماعتوں کے قیام کے لیے عطیے طلب کررہی ہیں تاہم اس خصوص میں انھوں نے کہا کہ وہ ضلع پریشدوں کو متوجہ کریں گے۔ چیف منسٹر نے یہ بھی کہا کہ پولیس انسپکٹروں کی علیحدگی اور بازماموری کے سلسلہ میں تفصیلات سے وہ ناواقف ہیں لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ زبان کی اساس پر کسی سے کوئی امتیازی سلوک روا رکھا گیا ہے۔

چیف منسٹر نے ابتدا میں اس کی تصدیق کی کہ اردو زبان اور حکومت کی اردو پالیسی کی موثر عمل آوری کے لیے انجمن ترقی اردو اور انجمن تحفظ اردو آندھرا پردیش کی جانب سے حکومت کے پاس نمائندگی کی گئی اور بعض تجاویز پیش کی گئیں۔ چیف منسٹر نے ۲ مئی سنہ ۱۹۶۱ء کو حکومت کے پاس پیش کردہ یادداشت کے اقتباسات اور اس پر کارروائی کی تفصیلات پیش کیں۔ انھوں نے کہا کہ جہاں تک حکومت کی اردو پالیسی کا تعلق ہے گشتی ایم۔ ایس نشان ۱۰۷۷ محکمۂ نظم و نسق عامہ (سروسیز اے) مجریہ ۲۵ جولائی سنہ ۱۹۶۲ء کے ذریعہ احکام جاری کیے گئے۔ چیف منسٹر نے اس کی نقولات ایوان کی میز پر رکھیں۔ انھوں نے کہا کہ یادداشت میں مندرج دوسری تجاویز کے سلسلہ میں متعلقہ محکموں سے کہا گیا ہے کہ وہ اس پر غور و خوض کے بعد مناسب کارروائی کریں۔

گورنمنٹ کالج بنگلور کی ادبی سرگرمیاں

گورنمنٹ آرٹس اینڈ سائنس کالج بنگلور میں بزم اردو و فارسی کا افتتاحی جلسہ کالج کے پرنسپل پروفیسر راؤجی کی صدارت میں ہوا۔ پروفیسر حمید صاحب نے خطبۂ افتتاحیہ پڑھا۔ بزم کے معتمد سکریٹری نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بزم کی سرگرمیوں میں اسی طرح تعاون کرتے رہنے کی درخواست کی۔

سید فضل المتین

گلشنِ داغ

۸ اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء کے "ہماری زبان" میں ایک مراسلہ میرے کرم فرما جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب کا "گلشن داغ" کے متعلق شائع ہوا ہے۔ جس میں مجھے مخاطب کیا گیا ہے۔

شیخ صاحب نے اپنے مراسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات قائم فرمائے ہیں:-

(۱) یہ گلدستہ ماہوار تھا یا پندرہ روزہ یا دس روزہ؟
(۲) سائز کیا تھا؟
(۳) صفحات کتنے ہوتے تھے؟
(۴) سالانہ قیمت کیا تھی؟
(۵) کس سنہ میں جاری ہوا؟
(۶) کب تک جاری رہا؟
(۷) اس کے ایڈیٹر کا نام کیا تھا؟
(۸) اس میں حصۂ نثر بھی ہوتا تھا یا نہیں؟
(۹) اس میں لکھنے والے کون کون معروف اشخاص ہوتے تھے؟

میرے یہاں "گلشن داغ" کا صرف ایک شمارہ بابت ماہ اگست سنہ ۱۸۹۰ء نمبر ۸، جلد ۲ موجود ہے۔ اس کی روشنی میں کیے گئے سوالات کے مندرجہ ذیل جوابات حاضر خدمت ہیں:-

(۱) یہ گلدستہ (غالباً) ماہوار تھا۔
(۲) موجود گلدستہ کا سائز ۱۸×۲۲/۸ ہے
(۳) موجود گلدستہ کے صفحات کی تعداد ۱۶ ہے۔
(۴) سالانہ قیمت کہیں درج نہیں ہے۔
(۵) موجود گلدستہ کے پیش نظر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ گلدستہ (غالباً) جنوری سنہ ۱۸۸۹ء میں جاری ہوا ہوگا۔
(۶) اس کا علم نہیں کہ کب تک جاری رہا۔
(۷) گلدستہ کے سرورق پر مالک و مہتمم و مرتب کی حیثیت سے منشی محمد عبدالرحیم صاحب صبا کا نام درج ہے۔
(۸) موجود گلدستہ میں حصۂ نثر نہیں ہے۔
(۹) موجود گلدستہ میں شریک اشاعت شعراء کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:-

صاحبزادہ مرزا اختر یار خاں صاحب اختر گلشن آبادی۔ حافظ محمد یعقوب صاحب انیق صدیقی جونپوری وارد حال حیدرآباد دکن شاگرد حضرت داغ دہلوی۔ حافظ رحیم بخش صاحب اختر شاگرد حضرت بسمل خیرآبادی۔ جناب مرزا محمد بیگ صاحب اختر احمدآبادی شاگرد جناب شیخ محمد بخش صاحب ضبط اجمیری۔ مولوی محمد احسن اللہ صاحب احسن اندوری۔ حکیم عبدالکریم خاں صاحب ترنم فتح پوری۔ مولوی عبدالحسین

صاحب بہار قرار متوطن سوات تلمیذ جناب شرف گلشن آبادی۔ رام کشن صاحب جوش انسپکٹر سنٹرل کالج رتلام تلمیذ جناب عبد۔ محمد عبدالحفیظ خاں صاحب حفیظ مدرس مدرسہ قصبہ تال علاقہ جاورہ۔ رام نراین صاحب حیران کلرک آڈٹ آفس اجمیر شریف تلمیذ حضرت داغ۔ میر کرامت علی صاحب خلش رئیس اجمیر شریف۔ محمد عبدالرحیم خاں صاحب رحیم عظیم آبادی اکاؤنٹنٹ اگزامینیشن آفس اجمیر تلمیذ خدائے سخن حضرت داغ۔ صاحبزادہ میرزا محمد شرف یار خاں صاحب شرف رئیس گلشن آباد شاگرد حضرت داغ قاضی محمد شوکت حسین خاں صاحب شوکت رئیس اعظم مراد آباد تلمیذ حضرت داغ۔ صاحبزادہ مرزا وجیہ الدین خاں صاحب شرر تلمیذ حضرت داغ۔ منشی محمد عبدالرحیم صبا مالک و مہتمم گلدستہ ہذا تلمیذ حضرت داغ۔ شیخ محمد بخش صاحب ضبط اجمیری تلمیذ حضرت داغ۔ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب طالب اکبر آبادی متعینہ شفاخانہ اجمیر شریف تلمیذ حضرت غالب مرحوم۔ منشی اقبال حسین خاں صاحب عاشق وکیل ریاست بیکانیر ساکن آبو۔ شیخ بشارت اللہ صاحب بحر تورد عزیز تلمیذ حضرت داغ دہلوی۔ پنڈت اونکار لعل صاحب نغز از نگلہ عار تحصیل جھالراپاٹن۔ حافظ محمد عالمگیر صاحب کیف تلمیذ جناب اسد لکھنوی ساکن ٹونک۔ نواب محمد عبداللہ خاں صاحب مطلب تلمیذ حضرت داغ۔ منشی مقبول احمد صاحب مقبول تلمیذ جناب جمیل سہوانی۔ سید محمد شفیع صاحب محو تلمیذ حضرت داغ۔ ممتاز اجمیری۔

یہ کہنا غیر مناسب نہیں ہے کہ "گلشن داغ" میں ہر ماہ "طرح" پر موصول شدہ غزلیات اور ان کا انتخاب شایع ہوا کرتا تھا چونکہ "گلشن داغ" کے سرورق پہ یہ عبارت درج ہے۔

"ہمیں ۱۲ کو غزلیں ملنی چاہئیں ورنہ درج گلدستہ ہونے کی امید عبث۔"

موجودہ پیش نظر گلدستہ میں شایع شدہ غزلیات کا "طرح مصرع" کہیں درج نہیں ہے۔ پہلی غزل کا مطلع یہ ہے:۔

مجھ کو اک بار جو محفل میں بٹھا دیتے ہیں — سیکڑوں بار عوض اس کے اٹھا دیتے ہیں

آخری غزل کا آخری شعر ہے۔

وعدہ کرتے ہیں تو ایسے کہ یقیں آجائے — دل تسلی سے دلاسے سے بڑھا دیتے ہیں

آخری طرحی غزل کے نیچے آخری صفحہ پہ مندرجہ ذیل عبارت درج ہے (نقل مطابق اصل)

(جلی حروف میں) اس طرح پہ براہ مہربانی ڈاک غزلیں عنایت ہوں۔

مصرع — میری قسمت نے دکھادی مجھے صورت کیسی

صورت۔ قافیہ۔ ردیف۔ کیسی

دہم دسمبر تک — ہوا جو شوق بھی ہم کو تو ظلم اٹھانے کا

اٹھانے۔ قافیہ۔ ردیف۔ کا

یکم اکتوبر تک — مگر ابھی دور ہے رسوائی کا

رسوائی۔ قافیہ۔ ردیف۔ کا

یکم نومبر تک — خدا جانے مرا قاتل ہے کون اور کس کا بسمل ہوں

بسمل۔ قافیہ۔ ردیف۔ ہوں۔

ضرور ملاحظہ فرمائیے

آخر کب تک منہ سیئے رہیں ناانصافی انتہا کو پہونچ گئی ہماری ادنیٰ سی رقم کب تک جی سے نہ نکلے گی۔ فقط۔

پیش نظر شمارہ مفید عام آگرہ میں شایع ہوا

بی۔ آر۔ کالج آگرہ میں اردو کی کلاسیں

آگرہ۔ بی۔ آر۔ کالج اسٹوڈنٹ یونین کے لٹریری کلب نے اردو کی کلاسیں شروع کر دی ہیں۔ مسرور اکبرآبادی کو انچارج نے بتایا کہ ان جماعتوں میں تقریباً پچاس طالب علم اردو سیکھ رہے ہیں۔ معلم کی خدمات جناب نسیم الدین اور شری او۔ پی۔ وشیلا انجام دے رہے ہیں۔ کلاسیں شام کو سوا چار بجے سے ساڑھے پانچ بجے تک ہوتی ہیں۔ کلب ایک مشاعرہ کا بھی انتظام کر رہا ہے۔

اجمیر میں یوم قابل مرحوم

اردو کے جواں مرگ شاعر قابل اجمیری کی یاد میں زیر صدارت سید عبدالرؤف صاحب سابق ڈپٹی کلکٹر گورنمنٹ کالج آڈیٹوریم اجمیر میں بزم مقالات و مشاعرہ منعقد ہوا۔ سید فضل المتین صاحب نے قابل اجمیری کی شخصیت اور فن پہ ایک مقالہ پڑھا۔ محمود ہاشمی نے قابل کی علامتی غزل گوئی پہ ایک مضمون سنایا۔ اس کے بعد مشاعرے کا آغاز ہوا جس میں بہت سے نامور شعراء نے حاضرین کو اپنے کلام سے محظوظ کیا۔

ادبی اخبار "موج"

ساجد اعظم۔ محمد فضل الرحمن مختص۔ احمد مکرم کی ادارت میں ایک پندرہ روزہ ادبی اخبار "موج" حیدرآباد (اے۔پی) سے ۳۰ دسمبر سے شایع ہو رہا ہے۔

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنی نگارشات جلد از جلد اس پتہ پہ روانہ کریں۔

پتہ

۲-۷-۱۲ اسپیشل "بی" کلاس۔ جدید ملے پلی حیدرآباد ۲۰ (اے پی)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ۔ پبلشر۔ ایڈیٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا